ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور فلسفۂ سیاست (۲)

حکمائے مغرب کی غلطی

اقبال کا یہ خیال کہ ریاست کا منبع خدا کی محبت کا جذبہ ہے جو خودی کی پوری فطرت ہے، روسو، ہابز اور لاک ایسے فلسفیوں کے اس نظریہ کی تردید کرتا ہے کہ ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے انسان کی کوئی قدرتی حالت ایسی بھی جب انسانی افراد جماعتی زندگی سے محروم تھے، جب کوئی قاعدہ یا قانون رائج نہیں تھا اور جب ہر شخص جو چاہتا تھا کرتا تھا، اور پھر خودسری، بے قانونی اور پیکار باہمی کی اس زندگی سے تنگ آکر انہوں نے ایک شخص سے مصنوعی معاہدہ کر لیا کہ وہ اس کی رعایا ہوں گے اور وہ ان کا حکمران ہوگا اور وہ اس شرط پر اس کا حکم مانیں گے کہ وہ ان کے جان و مال کی حفاظت کرے گا اور ان کو امن دے گا۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ انسانوں پر کوئی وقت ایسا نہیں آیا جب وہ جماعتی تنظیم سے کلیۃً عاری تھے اور ایک دوسرے سے الگ تھلگ منتشر افراد کی صورت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ کسی نہ کسی درجہ کی جماعتی تنظیم شروع سے ہی انسانی افراد میں موجود تھی۔ اور اگر یہ کہنا درست ہے کہ ریاست کی اصل جماعتی تنظیم ہی ہے تو یہ کہنا بھی بالکل درست ہے کہ ریاست کا وجود اُس وقت سے حضرت انسان کے ساتھ ہے جب وہ خود شعور اور خود شناس ہو کر خدا کی محبت کے جذبہ سے بہرہ ور ہوا تھا اور مقامِ انسانیت سے نوازا گیا تھا یہ الگ بات ہے کہ انسان کی جماعتی تنظیم یا ریاست ایک ابتدائی حالت سے ارتقاء کر کے دورِ حاضر کی عظیم اور انتہائی طور پر منظم ریاستوں کی شکل میں اپنی موجودہ ترقی یافتہ حالت کو پہنچتی ہے۔

ریاست کا ارتقاء

سب سے پہلی اور ابتدائی حالت کی ریاست خاندان تھا جس کا سربراہ باپ یا خاندان کا سب

سے زیادہ عمر رسیدہ بزرگ ہوتا تھا۔ اس ریاست کا نصب العین خاندان کے افراد کی باہمی قرابت داری تھی جس کا نمائندہ وہی خاندان کا سربراہ ہوتا تھا۔ پھر جب خاندان ترقی کر کے اسی نسل کے بہت سے خاندانوں کا ایک قبیلہ بن گیا تو قبیلے کا سب سے ممتاز آدمی اس کا سردار سمجھا جانے لگا اور اس طرح سے اب خاندان کی بجائے قبیلہ ایک ریاست بن گیا۔ اس ریاست کا نصب العین قبیلہ کی عصبیت تھی جس کا نمائندہ قبیلہ کا سردار ہوتا تھا۔ پھر بہت سے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ سب سے زیادہ معزز شمار ہوا اور اس کا سردار سرداروں کا سردار یا بادشاہ سمجھا گیا، جسے ایک خاص خطۂ زمین یا ملک کی رہنے والی قوم کا حکمران مانا گیا اور اس طرح سے قبیلہ کی بجائے ملک ایک ریاست بن گیا۔ اس ریاست کو منظم کرنے والا نصب العین بادشاہت کی عظمت یا تقدیس کا تصوّر تھا جو بادشاہ کی ذات میں مجسم تھا لیکن جلد ہی بادشاہوں کے مظالم نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ کوئی نصب العین اس وقت تک پوری طرح سے تسلّی بخش نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں عوام کی سُود و بہبُود مدّ نظر نہ ہو۔ لہٰذا ریاست کا نصب العین بادشاہت سے آگے بڑھ کر عوام کی سُود و بہبُود قرار پایا، جسے آزادی، مساوات اور اخوت وغیرہ ناموں سے تعبیر کیا گیا لیکن ابھی ان اقدار کے معنی محدود تھے کیونکہ ان کا اطلاق ایک محدود خطّۂ زمین کے لوگوں پر کیا جاتا تھا جو ایک خاص رنگ کے ہوں، خاص زبان بولتے ہوں اور خاص نسل سے تعلق رکھتے ہوں اور اس بنا پر ایک قوم یا نیشن کہلاتے ہوں۔ لہٰذا ایسی ریاست کا اصلی نصب العین قومیّت یا وطنیت یا نیشنلزم تھا۔ موجُودہ دَور میں انسان کے سیاسی نصب العینوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور وہ فلسفوں کی شکل اختیار کر گئے ہیں جو کسی خاص خطۂ زمین سے متعلق نہیں ہوتے۔ مثلاً اشتراکیت اور جمہوریت اب سیاسی یا سماجی نظامات نہیں، بلکہ پوری زندگی کے فلسفے شمار ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے جدید ریاستیں آئندہ کی عالمگیر ریاست سے بہت قریب آگئی ہیں، کیونکہ وہ ریاست بھی ایک فلسفہ پر قائم ہوگی جو انسانی خودی یا روح کا فلسفہ ہو گا۔

جماعت بندی خودی کا وصف ہے

افسوس ہے کہ ان فلسفیوں میں سے کسی نے اس حقیقت کی طرف توجّہ نہیں کی کہ معاہدے فقط انسانوں میں ہوتے ہیں لیکن جماعت بندی اور تنظیم کا وصف شروع سے ہی زندگی کے ساتھ چلا آتا ہے۔ زندگی کی مادی سطح پر جب ہم زندگی کے سب سے پہلے اہم مظہر یعنی جوہر یا ایٹم کو دیکھیں تو وہ بھی جماعت

بندی اور تنظیم کا ایک حیرت انگیز نمونہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح سے جماعت بندی کا وصف ایک سالمہ مالیکیول میں، ایک قلم یا کرسٹل میں، برف کے ایک گالے میں، اور اجرامِ فلکی کے نظامات میں بھی کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جب ہم مادّی سطحِ زندگی سے اُوپر زندگی کی حیاتیاتی سطح پر آئیں تو وہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر نوعِ حیوانات اس وصف کا اظہار کرتی ہے، ہر نوع کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ ایک طرح کی کشش رکھتے ہیں جسے ماہرینِ نفسیات نے جبلّتِ اجتماعی کا نام دیا ہے۔ اس کشش کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب بھی وہ ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں تو وہ ایک منظّم جماعت بن جاتے ہیں اور اس طرح سے عمل کرتے ہیں کہ گویا وہ ایک کُل کے اجزا ہیں۔ مثلاً پرندوں کی ڈاروں میں اور ہرنوں، گورخروں، ہاتھیوں، زیبروں، اور زرافوں کے گلوں میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ شاندار پرندہ یا حیوان قائد بنالیا جاتا ہے۔ جب تنظیم اور جماعت بندی کا رجحان پُوری طرح سے آزاد اور ترقی یافتہ ہو اور دوسری جبلّتوں کی مزاحمت کے بغیر اپنا اظہار پا رہا ہو تو جماعت کا کردار ایسا منظّم ہوتا ہے کہ وہ ایک جسمِ واحد ہے اور جماعت کے افراد وہ خلیات ہیں جو اس جسم کی تشکیل کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ رجحان تمام انواعِ حیوانات میں پایا جاتا ہے، تاہم اب تک یہ صرف چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں میں، جو اس لحاظ سے تمام دوسری انواعِ حیوانات سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، اپنے کمال کو پہنچا ہے۔ چیونٹیوں کے ایک گھر میں ہزاروں چیونٹیاں ہوتی ہیں، تاہم وہ ایسی ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتی ہیں کہ ہمیں ان کے گھر کو ایک تنِ واحد سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح سے شہد کی مکھیوں کا ایک چھتہ بھی جسمِ واحد ہے جس کے خلیات آپس میں جڑے ہُوئے نہیں ہوتے، بلکہ الگ الگ ہوتے ہیں اور یہ خلیات مکھیاں ہیں۔ چھتہ کی تمام مکھیاں رانی پر جان فدا کرتی ہیں اور ایک جسمِ واحد کے خلیات کی طرح مکمل نظم اور ضبط کے ساتھ اپنے اپنے فرائض ادا کرتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی حیرت انگیز جماعتی تنظیم بڑی وضاحت کے ساتھ اقبالؔ کے اس نظریہ کی تائید کرتی ہے کہ جماعت بندی، جسے اقبال انجمن آرائی کہتا ہے، خودی کی فطرت میں ہے، اور انسان کے اندر بھی اپنے اس کمال کو پہنچ سکتی ہے جو ہمیں اس وقت شہد کی مکھیوں کی زندگی میں نظر آتا ہے، کیونکہ اس کا یہ کمال بھی خودی کی فطرت کے اندر بالقوہ موجُود ہے، ورنہ کہیں بھی اظہار نہ پاسکتا۔

اب تمام انواعِ حیوانات کا ارتقا موقوف ہوچکا ہے اور خودی کا آئندہ کا سارا ارتقا صرف نوعِ

انسانی کی راہ سے ہونے والا ہے کیونکہ نوعِ انسانی ہی اپنی آرزوئے حسن کی وجہ سے اس قابل ہے کہ خودی کے مخفی کمالات اور اس کی پوشیدہ ممکنات کا مکمل اظہار کر سکے۔ لہٰذا ہم آئندہ کی عالمگیر ریاست کے اندر، جو خدا کے نصب العین پر قائم ہوگی، حضرت انسان کی جماعتی تنظیم کے اس کمال کا نظارہ کر سکیں گے۔ آئندہ کی عالمگیر ریاست کی تنظیم اور شہد کی مکھیوں کی جماعتی تنظیم میں فرق صرف یہ رہے گا کہ شہد کی مکھیوں کا مکمل ضبط اور نظم ان کی جبلتوں کے ماتحت رونما ہوتا ہے جن میں کوئی لچک یا تبدیلی ممکن نہیں ہوتی، اور مستقبل کے انسانی افراد کا مکمل ضبط اور نظم ان کے اپنے ارادہ اور اختیار سے ظہور پذیر ہوگا اور اس سے کسی قسم کا انحراف ان کی اپنی تربیت یافتہ محبّت کے لیے ناگوار ہوگا۔ لیکن یہ صورتِ حال اس وقت پیدا ہوگی جب انسان اپنے ارتقاء کی اس انتہا کے قریب پہنچ جائے گا جہاں خودی کی تمام صفات اور خصوصیات اپنی پوری ہم آہنگی اور دلکشی کے ساتھ جلوہ افروز ہوں گی۔

شہد کی مکھیوں کا چھتہ اس جماعتی تنظیم کا عکس ہونے کی وجہ سے جو خودی کی فطرت میں مضمر ہے اس بات پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ خودی کی فطرت کس قسم کی ریاست کا تقاضا کرتی ہے اور آئندہ کی آخری اور عالمگیر ریاست، جو خودی کے تمام تقاضوں کی تکمیل کرے گی اور اس کی تمام ممکنات کو آشکار کرے گی، کس نوعیت کی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ شہد کا چھتّہ ایک ایسی ریاست ہے جس میں سارا کام صرف ایک فرد کی مرضی کے مطابق انجام پاتا ہے اور یہ فرد 'رانی' ہے۔ رانی کو ریاست کے تمام افراد بالاتفاق اپنا قائد تسلیم کرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کو بلا چون وچرا قبول کرتے ہیں۔ ان معنوں میں یہ قائد ایک مکمل ڈکٹیٹر ہے، تاہم وہ کوئی ایسا ڈکٹیٹر نہیں جو اپنی رعایا کے کسی ایک فرد کی خواہشات کو بھی نظر انداز کر کے یا ان کے خلاف ہر حالت میں اپنی مرضی منواتا ہو اور جو جی میں آئے کر جاتا ہو خواہ نتائج کچھ ہوں، بلکہ وہ ایک ایسا ڈکٹیٹر ہے جس کی ہر بات وہی ہوتی ہے جو ریاست کے ہر فرد کے دل میں پہلے ہی موجود ہوتی ہے، جس کی مرضی ہمیشہ وہی ہوتی ہے جو ریاست کے ہر فرد کی مرضی ہوتی ہے، جو ہمیشہ اسی بات کو پسند یا ناپسند کرتا ہے جسے ریاست کا ہر فرد پسند یا ناپسند کرتا ہے۔ چھتہ ایک ایسی ریاست ہے جس میں حاکم اور محکوم کی مرضی ہمیشہ ایک ہوتی ہے اور ان میں کبھی کوئی تضاد پیدا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے جمہوریت کی یہ تعریف اس پر صادق آتی ہے کہ وہ عوام کی حکومت ہوتی ہے، جو عوام کے لیے ہوتی ہے اور جسے عوام ہی چلاتے ہیں۔ وہ ایک مکمل ڈکٹیٹر شپ ہی نہیں بلکہ ایک مکمل جمہوریت بھی ہے، لیکن وہ عصرِ حاضر کی معروف جمہوریت نہیں جس میں ہر مسئلہ پر ووٹ

لیے جائیں اور جس میں اکاون فیصد اکثریت کا راج ہو، بلکہ وہ اقلیت اور اکثریت کے جھگڑوں سے بے نیاز ہے اور اس میں اقلیت نہ موجود ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

مستقبل کی عالمگیر ریاست میں حاکم اور محکوم کی ہم آہنگی

مستقبل کی عالمگیر ریاست بھی حاکم اور محکوم کی مرضیوں کی مکمل موافقت کی وجہ سے اسی طرح کی ایک مکمل ڈکٹیٹرشپ بھی ہوگی اور ایک مکمل جمہوریت بھی۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ریاست میں ڈکٹیٹر کی مرضی کے ساتھ عوام کے ہر ایک فرد کی اپنی مرضی کی مکمل موافقت کیونکر ممکن ہوگی۔ اس سوال کا جواب ہمیں اس حقیقت میں ملتا ہے کہ فطرتِ انسانی یا خودی یا رُوح ہر فردِ انسانی میں ایک ہی ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے۔ یہ فطرتِ انسانی یا خودی یا رُوح ہمارے تمام اچھے اور بُرے کاموں کا سرچشمہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہم اپنی فطرت کو ٹھیک طرح سے سمجھ لیں اور اس کے مطابق کام کرتے رہیں تو ہمارے سارے کام اچھے اور درست ہوں گے۔ اور اگرچہ غلطی کے راستے بہت سے ہیں، تاہم درستی کا راستہ سب کے لیے ایک ہی ہے۔ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ جب اس پر کسی چیز کے اوصاف و خواص کا علم واضح ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس کا انکار نہیں کرتا، بلکہ اسے درست تسلیم کرنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ اشیاء کے اوصاف و خواص کا ایسا واضح علم سائنسی علم ہے یہی وجہ ہے کہ سائنسی علم کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں، وہ ہر ملک میں ایک ہی ہے، خواہ کسی ملک سے آیا ہو اور ہر سائنسدان خواہ وہ کسی مذہب یا قوم کا ہو اس سے متفق ہے۔ مثلاً اس وقت ایٹم کے اوصاف و خواص کا علم نہایت واضح ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہر ملک خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں اپنے ہاں ایٹمی توانائی پیدا کرنے یا ایٹم بم بنانے کے لیے اسے بلا چون وچرا صحیح تسلیم کرتا ہے اور اس سے استفادہ کرتا ہے۔ اب فرض کیجئے کہ کسی ملک میں فطرتِ انسانی کا علم سائنسی علم کی سطح پر آجاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کے متعلق تمام اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ اگر اس ملک میں تعلیم کے ذریعہ سے اس علم کو عام کر دیا جاتے تو ہر شخص کو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اس کی خودی یا روح کے اوصاف و خواص کیا ہیں اور زندگی کے مختلف مواقع اور حالات میں ان کے مقتضیات اور مطالبات کیا ہیں اور وہ اس سے اور اس کی قوم اور حکومت سے کس قسم کا عمل چاہتے ہیں اور کس قسم کا عمل نہیں چاہتے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت

میں اس ملک کے اندر حاکم اور اشخاص محکوم کی مرضیوں میں ہر بات کے لیے موافقت پیدا ہو جائے گی اور جوں جوں خودی کا علم ترقی کرتا جائے گا یہ موافقت بھی ترقی کرتی جائے گی، یہاں تک کہ اپنے اس کمال کو پہنچ جائے گی جو خودی کی فطرت میں بالقوہ موجود ہے اور جس کا ایک ابتدائی مظاہرہ ہم شہد کی مکھیوں کی حیرت انگیز تنظیم میں دیکھتے ہیں۔ چونکہ خودی یا فطرتِ انسانی کے صحیح علم کے بغیر انسان نہیں جان سکتا کہ اسے کون سا کام کرنا چاہیے اور کون سا نہیں کرنا چاہیے، کون سا کام اس کے لیے خطرناک ہے اور کون سا نفع بخش، لہٰذا خدا نے جو انسان کا خالق ہے انسان کو اس کی بہتری کے لیے اس کی فطرت کا ضروری اور بنیادی علم جسے 'دین' کہا جاتا ہے' اپنی رحمت کے تقاضا سے رحمۃ للعٰلمین کے ذریعہ سے بہم پہنچایا ہے اور کہہ دیا ہے کہ اس علم کے مطابق کام کرتے رہو گے تو ہر غلطی اور پریشانی سے محفوظ رہو گے۔ چنانچہ حضورؐ کو ارشاد ہوا تھا کہ دین پر یکسوئی سے قائم رہیے۔ یہ انسان کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خدا کی یہ تخلیق غیر مبدّل ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ (الروم: ۳۰)

لیکن خودی کا بنیادی اور ضروری علم جو نبوّت یا خدا کے قول کے ذریعہ سے انسان کو حاصل ہوتا ہے اپنی روشنی کی مدد سے مزید ترقی کرتا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خودی کا علم درحقیقت اس بات کا علم ہے کہ خودی کیا چاہتی ہے اور جو کچھ چاہتی ہے کیوں چاہتی ہے اور اس علم کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ خودی خدا کو چاہتی ہے جو ایسی اور ایسی صفات کا مالک ہونا چاہیے، تاکہ خودی اس سے مطمئن ہو سکے۔ لہٰذا خودی کا علم خدا کا علم ہے اور خدا کا علم خودی کا علم ہے، لیکن خدا کا علم خدا کے قول سے ہی نہیں بلکہ خدا کے فعل سے بھی حاصل ہوتا ہے اور خدا کا فعل قدرت اور اس کے مادّی، حیاتیاتی اور نفسیاتی مظاہر ہیں جن کو قرآن حکیم نے خدا کی آیاتِ انفس و آفاق کا نام دیا ہے۔ چونکہ مادی اور حیاتیاتی مظاہرِ قدرت خارج کی دنیا یعنی آفاق سے تعلّق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کو آیات آفاق کہا گیا ہے، اور چونکہ نفسیاتی مظاہرِ قدرت انسان کے ذہن سے تعلّق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کو آیاتِ انفس کہا گیا ہے۔ چونکہ ان مظاہر کا علم بڑھتا جا رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا علم بھی، جو دوسرے پہلو سے خودی کا اور خدا کے قول کا علم بھی ہے، برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ ضروری بات ہے کہ علم کی اس ترقی سے ایک وقت ایسا آ جائے جب خودی

کا علم سائنسی سطح پر نمودار ہو یعنی ناقابلِ انکار حد تک واضح ہو جائے علمی ارتقاء کے اس مرحلہ کی پیش گوئی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ عنقریب ہم لوگوں کو انفس و آفاق کے اندر اپنے نشانات دکھائیں گے جن سے ان پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن خدا کی سچی تعلیم ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

(حٰمٓ السجدۃ:۵۳)

علمی ارتقاء کا یہ مرحلہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی صورت میں اس وقت پہنچ چکا ہے، لیکن یہ حقیقت پوری دنیا کے لیے اُس وقت آشکار ہوگی جب پاکستانی قوم، جو فلسفۂ خودی کے ظہور کا موجب ہوئی ہے، اس کی اشاعت دنیا بھر میں کرے گی اور اس کی روشنی میں خدا کے تصور کو مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی مظاہر قدرت کے علم کے ساتھ ملحق کرے گی۔

پاکستان کا عالمی رول

سائنسی حقائق اور خدا کے عقیدہ کا باہمی الحاق کائنات کے ارتقاء کی ایک ضروری منزل ہے جو آ کر رہے گی۔ قرائن بتا رہے ہیں کہ فلسفۂ خودی کی عالمگیر اشاعت کا کام سب سے پہلے پاکستان سے آغاز کرے گا اور خدا اور سائنس کا الحاق سب سے پہلے پاکستان میں انجام پائے گا، کیونکہ دنیا بھر میں پاکستان ہی وہ ملک ہے جو خدا کے نام پر بنایا گیا ہے اور جس میں خدا کا دین فلسفیانہ نظریات کے اس دور میں سب سے پہلے ایک جدید فلسفہ کی صورت میں، جو فلسفۂ خودی ہے، نمودار ہوا ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ پاکستان ایک دینی ریاست تو بنے لیکن دین کی فلسفیانہ حکیمانہ یا سائنسی توجیہہ کو، جو فلسفۂ خودی کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے، کام میں نہ لائے اور اس فلسفہ کو اپنا نظریہ نہ بنائے۔ لہٰذا پاکستان ہی وہ ملک ہے جہاں آئندہ کی عالمگیر ریاست کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے اور وہ زمانہ دُور نہیں جب پاکستان میں یونیورسٹیوں کی نصابی کتب کے اندر خدا اور سائنس کے الحاق سے خودی کا علم اس قدر عام ہوگا کہ حاکم اور محکوم کی مرضیوں کے درمیان مکمل موافقت پیدا ہوگی، جس کی وجہ سے یہ ملک ایک پہلو سے مکمل ڈکٹیٹر شپ اور دوسرے پہلو سے مکمل جمہوریت بن جائے گا۔ رفتہ رفتہ پاکستان کی تخلیقی اور تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے دنیا بھر میں خودی یا رُوح کے اوصاف و خواص کا سائنسی علم اس قدر واضح اور شکوک و شبہات سے اس قدر بالا و بلند ہو جائے گا کہ تمام

نوعِ انسانی بآسانی اس کی صداقت کا اعتراف کرنے لگے گی، یہاں تک کہ اس اعتراف کی وجہ سے وہ پاکستان کی قیادت میں ایک عالمگیر ریاست کی صورت میں متحد اور منظم ہو جائے گی۔ چونکہ ایسی ریاست ایک واضح اور روشن نظامِ حکمت پر مبنی ہوگی لہٰذا اس کے قائد اور عوام کے درمیان اختلاف ناممکن ہوگا! اقبال کے نزدیک یہ صورتِ حال غیر متوقع یا عجیب نہیں، کیونکہ خدا کا عقیدہ جب سائنس کے ساتھ مل جاتا ہے تو ایک عالمگیر انقلاب پیدا کرتا ہے۔

عشق چوں بازیر کی ہمبر بود
نقشبندِ عالمِ دیگر شود!

مُروّجہ جمہُوریت غیر فطری ہے

مُروّجہ جمہُوریت میں اکاون فیصد اکثریت کی حکومت خودی کی فطرت کے منافی ہے۔ خودی ہمیشہ ایک فرد کی قیادت میں جماعت پیدا کرتی اور قائم رکھتی ہے اور وہ جماعت کا بہترین فرد سمجھا جاتا ہے۔ حیاتیاتی سطحِ ارتقا پر خودی ایک فرد سے حیوانات کی ایک پوری نوع پیدا کرتی ہے اور یہ فرد اس نوع کا جدِّ اوّل ہوتا ہے اور جب تک نوع زندہ رہتی ہے اس کے تمام افراد اس فرد کے جسمانی نمونہ کی پیروی کرتے ہیں، گویا وہ ان کا حیاتیاتی قائد ہوتا ہے۔ اسی طرح سے نظریاتی سطحِ ارتقاء پر خودی ایک فرد کی راہنمائی سے ایک پوری نظریاتی جماعت پیدا کرتی ہے اور وہ فرد ہمیشہ کے لیے اس جماعت کا قائدِ اوّل بنتا ہے اور اس کی وفات کے بعد جب جماعت کی قیادت کا سوال درپیش ہوتا ہے تو پھر بھی قائدِ اوّل کا قائم مقام ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کی نظریاتی زندگی قائدِ اوّل کے نمونہ سے قریب ترین ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اپنے بہترین فرد کو اپنی نماز کا امام بناؤ" اس ارشاد میں یہ ہدایت مضمر ہے کہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور دنیاوی قیادت کے لیے اکاون فیصد اکثریت کی بجائے ایک آدمی کو منتخب کرنا چاہیے جو نظریاتی اعتبار سے ان میں سے بہترین ہو۔

خودی کے اوصاف و خواص کے علم کے عام ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مستقبل کی ریاست میں نصب العین کی محبت یا معرفت تمام افراد میں ہر وقت یکساں رہے گی بلکہ ہر زمانہ میں اس کے اندر ایک شخص ایسا موجود رہے گا جو جماعت کے نصب العین کو دوسرے افراد کی نسبت بہتر سمجھتا اور جانتا ہوگا،

بہتر جانتا ہوگا اور بہتر عمل میں لاتا ہوگا۔ مستقبل کی ریاست میں ایسا شخص ہی قائد چنا جائے گا۔ ایسے قائد کو ان لوگوں کی رائے کا پابند نہیں کیا جاسکے گا جن کی محبّت یا معرفت قائد سے کم ہو اور وہ بھی صرف اس لیے کہ ان کی تعداد زیادہ ہے۔ اس ریاست میں قائد کو مشورہ دینے والے لوگ موجود ہوں گے اور وہ ان کے مشوروں کو سنے گا اور ان پر غور کرے گا تاکہ وہ ان کی روشنی میں اپنی آرار کے نیک و بد کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھے۔ لیکن فیصلہ بہرحال اس کا اپنا ہو گا اور جب اس کے فیصلہ کی وضاحت کی جائے گی تو عوام میں سے ہر شخص کو یہی نظر آئے گا کہ یہ فیصلہ صحیح ہے اور قائد کا ہی فیصلہ نہیں بلکہ اس کا اپنا فیصلہ بھی ہے جو اس کے دل کی گہرائیوں میں مخفی تھا اور جسے وہ اپنے علم اور محبّت کی نسبتی کمی کی وجہ سے پوری طرح نہ سمجھ سکتا تھا۔ اس کے بالمقابل رواجی جمہوریت کا یہ طریق کار غلط ہے کہ اکثریت کی رائے کو قوم کے بہترین شخص کی رائے پر بھی ترجیح دی جائے، خواہ اکثریت کی رائے اس کی رائے سے کیسی ہی مختلف اور کیسی ہی گھٹیا کیوں نہ ہو۔ اقبال بڑے زوردار الفاظ میں ایسی جمہوریت کی مخالفت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم ایک اچھوتے اور حکیمانہ خیال کی توقع ایسے لوگوں سے کرتے ہو جو جاہل اور پست فطرت ہیں۔ کہاں چیونٹی اور کہاں حضرت سلیمان ؟ ہم ایک چیونٹی سے حضرت سلیمان کی سی ذہانتِ طبع کی توقع نہیں کرسکتے۔ اس رواجی جمہوریت کو ترک کر دو، کیوں کہ اگر دو سو گدھے بھی جمع ہو جائیں تو ان سے انسان کے فکر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی　　ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانے نمی آید

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو　　کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

ایسی جمہوریت بیکار ہے، کیونکہ اس میں افراد کو گنا جاتا ہے، اُن کی رائے کا وزن نہیں کیا جاتا۔

اِس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

استبداد کا نیا لباس

پھر ایسی جمہوریت میں اکثریت والوں کی رائے بھی اپنی نہیں ہوتی، بلکہ چند خودغرض اور بددیانت دولت مندوں کی رائے ہوتی ہے جس کو وہ اپنی دولت اور اثر و رسوخ کے بل بوتے پر ان کے ووٹوں کی صورت میں لے آتے ہیں۔ گویا وہ درحقیقت جمہوریت نہیں ہوتی بلکہ بادشاہت اور استبداد کی ایک صورت ہوتی ہے جو جمہوریت کا لباس اوڑھ لیتی ہے۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

"ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں جب ابلیس کا ایک مشیر دوسرے کو کہتا ہے کہ تو سلطانیٔ جمہور کے نئے فتنہ سے بے خبر ہے۔ یہ فتنہ خیر ہے، شر نہیں۔ لہٰذا ابلیس کے کاروبار کو فروغ پانے سے روک دے گا۔

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

تو دوسرا مشیر اسے جواب دیتا ہے کہ میں سلطانیٔ جمہور کی نئی تحریک سے باخبر ہوں، لیکن وہ تو بادشاہت کا ایک پردہ ہے، لہٰذا ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ جب آدم اپنی حیثیت سے کسی قدر باخبر ہونے کے بعد بادشاہوں کی غلامی اور سختی کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہونے لگا تو ہم نے اسے خود دھوکہ میں مبتلا کرنے کے لیے بادشاہت کو ہی جمہوریت کا لباس پہنا دیا۔ بادشاہت کا کاروبار بادشاہ

(باقی صفحہ ۵۲ پر)